

مغربی تہذیب اور بہ زوال

ص ۱۰، سور وکن ————— ترجمہ، شمس منوید

ممتاز امریکی ماہر عمرانیات پر دفیئر سٹیٹیم لے۔ سور وکن نے اپنی تصنیف "انسانیت کی تعمیر نو" میں کسی قدر شرح و بسط کے ساتھ عہدہ وال کے مغربی کلچر کے دلفیازہ گوشوں پر بحث کی ہے۔ ایک طویل علمی تحقیق و تفتیش کی بنیاد پر جو سالہا سال تک جاری رہی اس نے اس بات کا سراغ لگایا ہے کہ پہلی موجودہ تہذیب و ثقافت اور سماجی ادارے مرکزی طور پر جنگ اور نازک کنکشن کی خود پرستانہ قوتوں کو جنم دیتے ہیں۔ اور یہ کہ "وہ خود غرض، منحرف، آسٹم اور تخلیق صلاحیتوں سے محروم شخصیتوں کی ایک غالب اکثریت پیدا کرتے ہیں" اور ان کے زیر سایہ جرائم کی آفرینش ہوتی ہے۔ اس سے وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ "مزید عالمگیر لڑائیاں ناگزیر ہو جائیں گی اور ان کی ایک یا ایک سے زیادہ لڑائیاں تہذیب انسانی کو موت کے گھاٹ اتار دیں گی (موت)

ثقافت جدیدہ کی مادی اور عموماً پرستانہ SENRATE نوعیت

پر دفیئر سورہ کی کئی رائے میں موجودہ عہدہ کی مغربی تہذیب و ثقافت کے اخلاقی زوال کا بنیادی طبی باعث اسکی سماجی پرستانہ مادی نظریہ ہے۔ اور اس سماجی پرستانہ مادی کلچر کی تعریف کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ "وہ عموماً انگریز، ہسٹری فیئر، تجریت پسند، لادینی اور دنیا نے آب و گل سے وابستہ کلچر ہوتا ہے" اس کے نظریہ کی روش سے اس تہذیب و ثقافت کی اساس اس اصولی قدر پر قائم کی گئی ہے کہ "جو عموماً کو چیر لے دینی عقلی قدر اور حقیقت سے" اس کے خلاف اس کے مطابق یہی وہ اصول ہے جو پہلی ثقافت میں رہا ہے۔

ہر شخص سے اس کے علوم و فنون سے فلسفہ اور تجربے کی ناشکی فریب سے، اخلاقیات اور قانون سے، اس کے سماجی، معاشرتی اور سیاسی اداروں اور انجمنوں سے زندگی اور ذہنیت کے چلنے والے طریقوں سے اپنا دانش نگاہ رکھتا ہے۔ (صفحہ ۹)

افتداری کی نئی میزان

چونکہ عہدِ رواں کے مغربی پلجر کی نظر میں سچی حقیقت کی قدر وہ ہے جو احساس کو اپیل کرتی ہو۔ اور حقیقت کی کوئی بھی قدر ایسی نہیں جو مادے سے حواس ہو۔ اس لیے انسانیت کی تعمیر نو کے مصنف کی رائے میں اس پلجر کی میزانِ اقدار "بنیادی طور پر مادی اور حواس پرستانہ لذتیت کی شانہ اور کھیت پسندانہ ہے" پروفیسر سودکن کے الفاظ میں "اس قسم کے پلجر میں عورت و نوش کی آسائش، آرام دہ مہوسات اور ٹھکانوں جیسی آسودگی، دولت اور طاقت، مقبولیت اور شہرت کو بنیادی اقدار کا درجہ دیا جاتا ہے۔" (صفحہ ۱۰۲)

"خدا کی آسمانی بادشاہت کی دوائے حواسِ قدروں کو" پروفیسر سودکن کہتا ہے "یا تو ادا نام پرستی کہہ کر رکھیا جاتا ہے یا پھر ان کا اعتداف معنی زبانی جمع خرچ چہرہ پر ہوتا ہے" حقیقت یہ ہے کہ ان اقدار کو اس قسم کے حواس پرستانہ مادی پلجر میں جیسا کہ یہ مغربی پلجر ہے معنی "مفلانہ خیالی پرستیاں" تصور کیا جاتا ہے۔

پروفیسر سودکن کے نزدیک اس معاشرے میں "تخیلی حیات اور زندگی کی رونق و شادابی کو جو اس کو زیادہ سے زیادہ پیڑنے والے اقدار حقیقت کے اس زیادہ سے زیادہ سراپا سے ناپتے ہیں جو ایک فرد یا ایک گروہ اپنے ہوتے ہوئے صرف نہیں لائے، استعمال کرے اور اس سے لطف اندوز ہو، یہ دولت آسائش، طاقت اور ناموری وغیرہ کا کوئی جتنا زیادہ حصہ حاصل کر لے اس کو اتنا ہی زیادہ مسرور اور آنا ہی زیادہ عظیم تصور کیا جاتا ہے۔" (صفحہ ۱۰۱)

خود پرست گروہ اور افراد

پروفیسر سودکن کے خیال میں ایک حواس پرستانہ مادی تہذیب و

ثقافت میں جو مہوسات اور اقدار حقیقت سے مٹتی ہیں ان زیر اثر ہر شخص پر آسائش سے لے کر موت

تک اسی اخلاقیات (Ethos) کے سانچہ میں چھل جاتے ہیں۔ خاندانی پرورش گاہیں، بچوں کے گروہ جن سے وہ کھیلتے ہیں، ابتدائی مکاتب، ثانوی اسکول، کالج اور وہ افراد و گروہ جن سے اس کا رابطہ اور رابطہ ضبط رہتا ہے وہ اخبارات اور کتابیں جو مطالعہ سے گذرتی ہیں۔ وہ سینما اور تماشے جو دیکھے جلتے ہیں وہ کاروبار جن میں لوگ مشغول رہتے ہیں یہ تمام علمی شعبے ایک انسان کے اندر یہ تحریریں پیدا کرتے ہیں کہ وہ دولت مند، طاقت ور اور مشہور یا محروم بن جائے، عظمت و سربراہی کی مقدار و دیکھتگی کی اصطلاحوں سے ناپا جاتا ہے اگر کوئی ان اقدار کا ایک معمولی سا حصہ پائے تو اس کو ناکام و نامراد تصور کیا جاتا ہے اور اس کو سماجی زمینہ کی سب سے زریں سطح پر بھی نہ رکھ دیا جاتا ہے اگر وہ زیادہ سے زیادہ ممکن ترین حصہ کے لیے لڑنے لگا تو اسے انکار کر کے تو اس کو حصول کی بلند پروازیوں سے بے بہرہ اور شاید ایک انوکھی شے غیر متوازن اور ذہننا و جسمنا نامعمول سے مشابہتاً آدمی خیال کیا جاتا ہے جو اس پرستانہ مادی تہذیب کی یہ تقدیریں بنیادی طور پر خود پرستانہ تنظیم کے افراد اور گروہ پیدا کرتی ہیں اور جو اس پرستانہ مادی اقدار تہذیب کی مانگ کے مقابلہ میں بڑھتی ہوئی کمیائی کی بدولت یہ صورت حال اور زیادہ شدت اختیار کر جاتی ہے۔ علاوہ انہیں کوئی جتنا زیادہ طاقت اور حاصل کر لیتا ہے اتنی ہی ان کے لیے اس کی برس بڑھتی جاتی ہے (صفحہ ۱۰۲)

انسان کا تنزل

”انسانیت کی تعمیر“ کے قلم کار کے نقطہ نظر سے عہد پرواں کے مغربی کلچر کی ایک عمومی خصوصیت ان ثقافتی و سماجی اداروں کی گہراوٹ ہے جن سے خود انسان اور اعلیٰ تر سطح پرستانہ مادی شے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پروفیسر سوروک کے خیال میں ہمارا معاصر مغربی کلچر اس بات کا پروردگار اعلان کرتا ہے کہ تہذیب و ثقافت، سماجی ادارے اور انسان اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ محض ٹھیکہ اسی جو اس پرستانہ حقیقت کی نیز نگہیاں ہیں محض مثبت اور منفی برقی پاروں کا میکانیکی عمل ہیں محض ذخیرہ محسوسات کی سمیٹ ہوئی ٹھیکیں ہیں۔ مردہ اور زندہ مادہ کی مرکب صورتیں ہیں اور بس، جو اس پرستانہ مادی ساختیں کا یہ جھوٹا مسلم اس نظریہ کو ترقی پستانہ نشوونما دیکر مٹا دیکھی، مادی عناصر (Reflexological) حیاتیاتی، تصوراتی

(Endocrinological) جنسیاتی، نفسیاتی، تجربیہ و تحلیل اور معاشیات کی اصطلاحوں

میں سماجی اور ثقافتی مظاہر کی تشبیہ و تعبیر بیان کرتا ہے۔ ہمارے دور کا علم نفسیات انسان کی تصویر کشی

کہتے ہیں کہ جو دیکھتے کہ مزید شہوت زہنی سرایہ اور جنسی ملک کو ماورائے حواس اور غیر مادی قسم کی کوئی شے تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے، زیادہ سے زیادہ وہ ان چیزوں کو اصولی نظام کا ایک اور ضمنی نتیجہ (Byproduct) قرار دیتا ہے جب اس نوع کے لہریں سائنس اپنے خود ساختہ اصولوں کو نشوونما دیتے ہیں تو وہ انسان کی تصویر کو ایک جانور کے روپ میں پیش کرتے ہیں جس پر آلات ہاضمہ اور اعضاء جنسی ایک غلبہ قوت کی حیثیت سے حکمرانی کر رہے ہوں یا فرائیڈ (Freud) کا اصطلاح میں ہی تبرزدگی یا فطوری جینی تخلیقیت (ID) کی حکمرانی ہو جو ذہنی، مہرزی اور عقلی جینی جبلتوں کے ساتھ ساتھ تخریب کار یا سائیک پینڈ (Sadistic) اور مسیحا کنگ (Masochistic) نیز اوریڈیو پیکلیس (Oedipal Complex) برتنی شکل ہے یعنی اس خواہش پر کہ اپنی ماں کے ساتھ اپنا زنا کرے اور باؤ کی اپنے باپ کو روک لے، ایک خواہش جس پر ایک بائیکا اور کوکھی "انا" اور اس نظام کا ہارن "ذوق اللذائ" (Superego) کا پردہ پڑا ہوا ہے جب لے حکام تخریب کار جنسی جبلتوں کا لگا گھونٹا ہوا ہوتی ہے تو جتنی اضطراب و پریشانی کی حالت کو پہنچ جاتی ہے، یا ایڈلر (Adler) کے خیالات کی رو سے انسان کو ایک ایسے جانور کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے جو جو کس طاقت کے نشیب سے مرش رہے یا ایک پیچیدہ بگنی ہوئی، متعجب مشینی ساخت کی صورت میں ایک تصویر کشی کی جاتی ہے اس طرح کے ہیں۔ انسان کچھ اور سماج کے متعلق وہ سائنٹیفک تصورات جن کو اس پرستانہ مادی کچھ تخلیق کرتا ہے اور پھیلاتا ہے خاص طور پر اپنے ان تفریحی مراحل میں جس وقت محدود سطح کی نگر پھاری کی کارفرمایاں ختم ہو چکی ہوں" (صفحہ ۲-۱۲)

جنگ کا چرچا تھا ہوا دھارا

اس بات پر کسی کو تعجب نہ کرنا چاہیے کہ جب مغربی کچھ تیز کردہ ہا خودشت گراؤٹ کے عہد میں لڑائی ہوئی تو وہ اپنی قسمت بدولی تمام سماجی اداروں اور خدو مان بن ہی کو سماجی بدرو میں گھسیٹ لایا اور کافرشی "ہمیشہ فرزدی ہوئی ہوئی" دشت ویرانیت کے ساتھ اس نے مسلسل بڑھتی بڑھتی ہوئی لڑائیوں، انقلابات اور دوسرے اختکانات اور انفرادی تعلقات میں برائے اندر ایک دوسرے کو قتل کرنے اور شکار کرنے کا مشغلہ شروع ہو گیا جبکہ گیارہویں صدی سے انیسویں صدی تک کی تمام لڑائیوں میں عمومی طور پر کوئی ڈیڑھ کوڑ تیل اور زخمی ہونے۔ تنہا پہلی عالمی جنگ میں کوئی دو کوڑ انسان کھیت آئے اور دوسری عالمی جنگ میں تقریباً پانچ کوڑ" (صفحہ ۱۰۲)

سواس پرستانہ مادی کلچر کے فطری نتائج -

پروفیسر سڈکن دھولے کرتا ہے کہ "اقدار کی اس گراؤٹ کی بنا پر ہمارے دور کا کلچر مسلسل حریفانہ جذبہ اور طاقت ورنہ پرست طاقتوں کو جنم دیتا ہے جب ہر فرد و گروہ خود کو معیارات اور اقدار کا اعلیٰ ترین بیج تصور کرتا ہے تو اخلاقیات کو ایک سماجی ادارہ ماننے والے فلسفی ٹامس ہابلس (Thomas Habbis) کا مقولہ "جس کی لامٹی اس کی بھینس" مالی نقصان قائم ہوجاتی ہے جس میں مرکز فریب کے ہمراہ جسمانی طاقت کے سوا کھوڑا اور اختلافات کو فیصل کرنے کا دوسرا نظام نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۱۰۶) اور اس کے علاوہ "اس نضا میں جو لوگ پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں عالمگیر طور پر سلمہ اقدار اور معیارات (Norms) کی تعلیم ان کے ذہن نشین نہیں کی جاسکتی" پروفیسر سڈکن کی رائے میں "تصاد سے پھر لوہا ایک ایسے کلچر کے ماحول میں جیسا کہ یہ مغربی کلچر ہے جو بچے پر دان چڑھتے ہیں ان کو اقدار و اصول کے کسی ایسے آفاقی معیار سے اثر پذیر ہونے کا کوئی موقع نہیں ملتا جو ان کی فطرت ثانیہ بن سکے، اور ان کی طرف سے ان کے کردار کو مضبوط کر سکے وہ ہمارے محدود ان فضیلت کی طرح ہوتے ہیں جو حالات اور تغیرات کے ہر چھوٹے اور بڑے پر ادھر سے ادھر بٹکتے پھر رہے ہیں جب وہ بچگی کی عمر کو پہنچتے ہیں تو کوئی یکساں عام فکر ان کے کردار کے نظم و ضبط کے لیے موجود نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے وہ مختلف حتیٰ کہ متضاد حد تک دیاؤ ڈالنے والے حلقہ جات اثر کے هجوم میں زندگی بسر کرتے ہیں اور آمد و پریشان افکار و آراء کے زیر اثر آجاتے ہیں۔ بیشتر صورتوں میں ایسا ماحول تشکیک زدہ اور انسان دشمن، مروجہ انسانیت مذہب کے مخالف (Nihilistic) اور غیر وشر سے بے نیاز (Amoral) سماجی جتنے اور بھروسے پیداکرتا ہے ان جتنوں کے افراد جو باطن کی سمت سے آفاقی معیاروں کی گرفت میں نہیں ہوتے سواس پرستانہ مادی قدروں کے واسطے اپنی جدوجہد کے دوران میں مسلسل وہیم ٹھکانا کا شکار رہتے ہیں اور یہ ٹھکانا جن میں کسی حقیقت اصول و مقصد کی روح نہیں ہوتی بڑھتی ہوئی خردش کے ساتھ خون آشام و غم ریز ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان حالات میں یہ دیکھ کر متعجب نہ ہونا چاہیے کہ جوانی کی قوتوں پر ضعف اور کمزوری کا حملہ ہو رہا ہے عام طور پر جرائم کاری کو پس پا کرنے کی کوششیں ناکام ہیں۔ رابطہ ایوں اور انقلابات کا پلہ مبارسی ہوتا چلا جاتا ہے۔ جرائم کاری کی طرح سرعت و ترقی کے ساتھ لوگ زیادہ سے زیادہ وحشی اور بیباک نیز انسانی یا حسانی قانون کی گرفت سے آزاد ہوتے جارہے ہیں یہ سب کچھ جدید معاں کے مغربی کلچر کے برگ و بار ہیں۔" (صفحہ ۱۰۶)

سائنس کی غیر ذمہ دارانہ حالت

پروفیسر سرزدوکی کے خیال میں "اصول پسند تہذیب و ثقافت کے آفاقی معیاروں کے زوال کے ساتھ ساتھ اس حاکس پرستانہ مادی سائنس اور ٹیکنالوجی کی اخلاقی، فزیمی اور غیر ذمہ داریت میں بھی نشوونما ہوا ہے؟" وہ کہتا ہے "موجودہ نئے حرفت ایسے ہی آکات و بے پیدائش کئے جو انسانیت کے لیے مفید ہیں بلکہ وہ آکات بھی جو ہمت اور ہمتی کو ساتھ لائے ہیں جن کا آغاز بنڈوں کی بارڈوسے ہوا۔ اور جو ہماری بیم، زہریلی گیوں اور جراثیمی لڑائیوں پر پائے تکمیل کو پسند انسان اور اس کی سماجی و ثقافتی دنیا کے وہ تمام پست کن نظریے جن پر سابقہ باب میں بحث کی گئی۔ انسان اور اس کے سماجی و ثقافتی کائنات کے تعلق وہ تمام تہذیب کش، اخلاقی موز جہانی، اضطرابی حیاتیاتی، تسمیر پرستانہ، نفسیاتی تجزیاتی، معاشی اور ان جیسی تسمیرات کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے نام پر پروانہ کر لیا گیا جنہوں نے افراد اور گروہوں کے درمیان تباہ کن اور کشش کی تخلیق اور انسان کی وحشت آمیزی میں کار نمایاں انجام دیا ہے۔ موجودہ دور کی سائنس اور ٹیکنالوجی کا غلط استعمال انسانیت کے مستقبل کے لیے ناکارہ ترین خطرہ پیدا کر رہا ہے اگر ان کو ان خود پرست افراد اور گروہوں کے ہاتھ میں اسی غیر ذمہ دارانہ موقف میں نہ ہونے دیا گیا تو ممکن ہے وہ بہت ساری سائنس سے فوج انسانی کا نام لٹائیں ہی متاثر کر دیں، اگر نہیں یہ آرزو ہے کہ وہ اب بار بار تکرار فرمے ہو جاتے تو سائنس اور ٹیکنالوجی کی نظرت میں بنیادی تبدیلی لازمی ہوگی۔" (صفحہ ۱۱۱)

سچییت اور مغرب

پروفیسر سرزدوکی کی بحث میں "تمام نفاذ سچییت مغرب نے قریبی صدیوں کے عرصہ میں اپنے اندر خیر بھی بلکہ مذہب ہے سچییت دشمن اور طریق کو نشوونما دے لیا ہے۔ ثقافت و تہذیب کی وہ وحشت جو ایک بار مذہب کے ذریعے روک پھری ہے پیدا ہو گئی تھی اب مذہب زوال ہے۔ خاص طور پر پروفیسر سرزدوکی کہتا ہے کہ "امروز کا مذہب ہے کہ اگر کوئی خیر سچائی اپنے دین و ایمان کی تعریف میں رطب و لسان میں مگر اپنے کھلے کھلے ظہری اعمال میں اس دین کی صفات و مذہبی کونے میں وہ کافروں تک سے بڑھ گئے ہیں؟" آگے چل کر وہ کہتا ہے کہ "خود سچییت پارہ پارہ ہو کر شیعوں اور فرقوں کی جھیر میں بٹ گئی جو ایک دوسرے کے صفات و فساد اور بیخ کنی کے کام میں مشغول ہیں۔ عیسائیت کا اور پوری نفل اس کا امدادی سرمایہ اور ہیکروں، اس کے رسوم اور عبادتوں، اس کی استقامت مشینری اور دولت و

نیابت نے ان صدیوں کے دوران میں اپنی روحانیت، اخلاقی قوت، کار اور کاپلٹنے والی طاقت کو فروخت کر کے نشوونما حاصل کیا ہے۔ (صفحہ ۱۱۴)

فلسفہ

جس طرح حمد حاضر کی مغربی دنیا میں مذہب پر مغزی پکڑنے نامساو گار اثرات ڈالنے میں ٹھیکہ دینے کی فلسفہ کو بھی سخت مدد دہا تھا نا پڑا۔ نئے فلسفیانہ نظام جن کا ارتقا مغرب میں ہوا وہ ٹھیکہ پسندی یا لادریت

(Agnosticism) آگنوسٹسزم اور الفیاض پسندی (Integralism) کی ایک مجموعی کرک ہے۔ ایک ناقابل انکار و تردید حقیقت یہ ہے کہ صرف مادہ پرستانہ، مشینی، تجریمیت پسندانہ مثبت وسائل پسند (Instrumental) کا دہباری عملیت سے تعلق رکھنے والے، ٹھیکہ زدہ اور نیم ستالی قسم کے فلسفیانہ نظام ہی حواس پرستانہ مادی کلچر کی فضاؤں میں پرمال چڑھے اور شاداب ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۱۱۵)

”انسانیت کی تعمیر نو“ کے فاضل مصنف کی رائے میں ان فلسفیوں نے مادی کلچر کے اخلاق سوز اثرات کو خوب اچھی طرح سمجھا دیا ہے لیکن اس کی مخصوص متوازی بہترائی کو ثابت نہیں کیا گیا اس لحاظ سے ایسے فلسفیوں کے باریکہ دقیق مگر مہرگہ طور پر جاری و ساری اثرات نے خصوصی امتیاز کے ساتھ خود پرست اور عرفیانہ طاقتوں کو آزاد چھوڑ کر آخری درجہ کی تباہی مچانی چلائی۔ حکام و شیرازی بندی پر عمل پیرا ہونے اور انسانیت کے اختلافی ٹکڑاؤں کو رفع کرنے کے لیے پروپیگنڈا سرورکن کا خیال ہے کہ ”کسی ایسے مذہب میں“ سب کچھ شاد کرنے والی اور حضور و رگنڈ کو عام کرنے والی محبت، انسانوں کے ساتھ، خدا کے ساتھ اور ساری کائنات کے ساتھ ایک انسانی محبت کی روح چھوڑ گئی ہی ہوگی۔ ایک محبت جو الفاظ اور آرزوؤں کے ساتھ فعل و عمل میں بھی نمایاں ہو سکے؟

فضول لطیفہ

”انسانیت کی تعمیر نو“ کا مصنف ہمیں آگے چل کر بتاتا ہے کہ ”ہمارے زمانہ کے مغرب کے حواس پرستانہ مادی کلچر کی نشوونما کے ساتھ ساتھ آرٹ بھی بڑھتی ہوئی شدت کے ساتھ حواس پرستانہ طور پر مادی ہو کر رہ گیا ہے کہ جو اپنے موضوع اور مرکزی مواد کے لحاظ سے لادینی ہے اور اپنی حیثیت کے اعتبار سے مشاہدہ پسند اور طبیعی ہے

وہ فن بستے فن کے لیے وقت بہا، مزہب، فلسفہ، سائنس اور اخلاقیات سے لاتعلق، آخر کار اس نے غلبہ و بلاوتی حاصل کر کے شہوانی نہیں تو کم از کم سفسنی خیر حیاتی تشکین و آسودگی کے ایک نفسی آلہ کی شکل اختیار کر لی، (صفحہ ۲۲-۱۲۱) مزید یہ کہ یہ "اثر و پہلی کی فنی اعتبار کی لیبائی کے ساتھ اس نے تیزی سے اپنی جہتی مریضانہ خصوصیات کو نشوونما دینا شروع کر دیا اور اس طرح تخلیقی کم اور زیادہ سے زیادہ مریضانہ، پستی، آہور، منفیانہ اور غیر مربوط و پریشانی ہوتا چلا گیا۔" بہت کم بہت مغرب کا یہ فن "سماجی گندی ناپوں کے فضا، خلافت میں اتر گیا۔۔۔۔۔۔ اس کے سپرد اور مرکزی کردار نائنق منافع، سرسختی اور مجرم، فاشائیں، خطلی اور ذہن تا ناقص النقل، لاوارف، انسانی نسل اور اسی قبیل کے لوگ ہیں، اس کے محبوب، ماحول کے سلا و سامان ہیں، بھروسوں کی گھین گھیں، پولیس کے شناختی ٹائل گھر، پاگل خانے، کسی شادی شدہ خاتون، زنا کارہ، فاشا یا اغوا کرنے والی کی خواب گاہ، کوئی شینہ کلب، شراب خانہ یا نشاٹا خانہ، کافر، سازش کرنے والوں اور نائنق پسندوں کا دفتر، یا ایک شہری مرکز جس پر کوئی سفسنی خیر قتل یا کسی اور جرم کا منظر پیش ہو رہا ہو۔ فریڈ کی یہ دو جہتیں اس کا مخصوص موضوع نہیں۔ انسان کشی اور عود کشی کی جہتیں، خاص طور پر جنس سے تعلق رکھنے والی جہتیں، اپنی تمام تر ممکن شکلوں میں، دود و وحشت کی جذباتیت اور رومان پسندانہ اسلوب میں، ہم جنسی اور مختلف الجھتی نفسانی تعلق میں، عام معمول کی صورت میں اور عام معمول سے مٹی مٹی بگڑی ہوئی شکلوں میں، علیٰ نژاد تقیاس آرت گرتے گرتے انسان کش ہو گیا اور شہوانیاتی بھوک تک پہنچا۔ تفریح اور سہل لگا پلا کا آرا کا رہ گیا، ممکن سے چڑھا حساب میں تحریک پیدا کرتے کہ صرف میں آنے لگا۔ یا بازاری اشتہاری چیزوں، ملین ادویات، مالش کے پتھروں، جو، مہان اور سینٹی ریڈر وغیرہ کی ذر خرید خادہ اور گیند میں گیا، وہ بہتر تر صاواہل کی سطح تک اور ان خیر تصاویر کی حد پر پہنچا، جن میں علی مباشرت کی نائنق کی گئی ہو، (صفحہ ۱۲۲)

فن کی پستی اور نزول

بہر وہی ہر سودا گن میں خریدتا ہے کہ اپنے موجودہ کردار کے لحاظ سے فن "معنی ایک بازار کی قابل بیع و شراہ چیزوں میں تبدیل ہو گیا ہے جس کو کسی دوسری شے کی طرح خرید اور بیچا جاسکے اور نفع بخش بکری حاصل کرنے کے لیے۔" سوویتانہ مذاہن کے علمیانہ تقاضوں کو پورا کرنے پر مجبور کیا گیا، کیونکہ بازاری تقاضوں اور مانگ کا حجم سنہرے تقاضوں کے مقابل میں ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے اس لیے اپنے معیارات کی پستیوں میں وہ اور زیادہ نیچے بیٹھتا چلا گیا۔

اس نفاہ بات کی کوشش کی ہے کہ اس کمی کو مقدار و کثرت کے لحاظ سے پورا کر دے (یعنی جتنا زیادہ آتنا ہی برتر کا اصول) اس نے کمی کو پورا کرنا چاہا، غیر مربوط اور پریشانی دریا نٹوں سے سستی خیز سرگزشتوں اور مریب کن فن کی ترکیب سے اس طرح ادبیات عالیہ کی جگہ زیادہ چلنے والے تماشے، صاحب ذوق نقاد کی جگہ کاروباری تاجر، حقیقی فن شناسوں کی جگہ نشا طاکدوں کے دندانِ حسی اور اہل ناقیرین، فن کی جگہ اخباری نامہ نگاروں نے لے لی فلسفہ ادکار اور موسیقار کو تہ تیغ سے مالا مال ابوابِ فن کی گدی پر تمکن کر دیا گیا۔ مذوق برق غیرہ کن عمدتوں کو اندرونی تدر و تہمت کی جگہ پر لاڈ الا گیا۔ فن کی ترکیب، اسالیب نے عبقریت کا مقام حاصل کر لیا۔ نقالی کو اختراعی صلاحیتوں کی نیابت عطا ہو گئی، بازاری دریا نٹوں اور ایجادات کو پائیدار قدروں کی جگہ سے دی گئی۔ کاروباری تاجرانہ منڈیوں کو فن کے حلقوں کی جگہ بخشہ دی گئی اور روزانہ ایک کتاب پڑھنے والے لکھنوں کو فنون کی مجالسِ علمی اور تحقیقی فن کاروں کی انجمنوں کا مقام مل گیا۔ (صفحہ ۲۳-۱۲۲)

حرفِ آخر

ایک ایسے ملک میں جیسا کہ ہمارا ملک ہے جہاں ہر بازار ایشیے، کواکٹ اور کچر کے نام پر ٹیٹھا دا دیا جاتا ہے۔ وہاں کے تمام سماجی ہی خواہوں کو اس فیصلہ و استدراک پر گوش بر آواز ہونا چاہیے جس پر ایک بلند تہجدیہ مغربی علامہ پہنچا ہے۔ یہ دوسرے سو دن کہتا ہے بنیادی طور پر جو تہجدیہ نکاح جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ مادہ پرستی کو ہرگز نظر نہ زندگ ماننے والے کچر کے درخت کی بیج و بونہی ہی اندر اس کی عظیم منطقی بنیاد ہی ہوگی جس کن حد تک غلط ہے اس کو اس پر تہذیبی مادی کچر کی جڑیں مٹری ہوئی جڑیں یعنی زیادہ دیکھتے تمام نہیں گی آتنا ہی زیادہ پتھر وہ یہ درخت ہموارے گا۔ اور اتنی ہی کمزور و جھلی اس کی تخلیقی طاقت ہوتی جائے گی۔ ایسے حالات میں اس کا کوئی امکان نہیں کہ اعلیٰ اور تخلیقی صلاحیتوں کی حامل مبتدیوں کو پروان چڑھایا اور تیار کیا جائے اور نہ ہی اس کا امکان ہے کہ ایک ہم آہنگ ثقافتی نظام برپا کیا جائے۔ ہمارا دم توڑنا ہوا کچر، نفرت، رقابت اور شک و حسد کی وہ تخم ریزیوں کرتا ہے کہ ہمیں سے ناپید اکنائزہ ختم ہونے والی لڑائیاں، انقلابات اور دوسرے خوبیوں تصادموں کی تخلیق ہوتی ہے۔ اب یہ عمدہ وال کچر پر دوسرے سو دن کے الفاظ میں "تاب و توان کھو چکا ہے اور روبرو زوال ہے۔"

(ماہنامہ 'برطان' دہلی اگست ۱۹۶۰ء)

